© rasailojaraid.com

کیا
سرسید اور علماء اسلام میں باہمی مخالفت کی بنیاد
انگریزی تعلیم کی ترویج تھی؟

(ایک غلط فہمی کا ازالہ)

از جناب ضیاء الدین صاحب لاہوری ایم۔ اے۔

سرسید احمد خاں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل متعدد مذہبی رسائل تصنیف کیے جنھیں مختلف حلقوں میں قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا، لیکن جنگِ آزادی کے بعد جب انھوں نے مذہب سے متعلق جدید نظریات پر مبنی تحریریں عوام میں پیش کیں تو وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے۔ اُن کی مخالفت اس وقت عروج کو جا پہنچی جب ان کی سرپرستی میں مدرستہ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بحث و مباحث کا یہ سلسلہ دارالعلوم کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ جاری رہا۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا لہذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفتوں کے طوفان کم ہوتے گئے۔ ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نے جنم لیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو گزشتہ واقعات کے پس منظر سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں، یا کر دی گئی تھیں۔ انگریزوں اور ان کے کارندوں کا تیار کردہ تعلیمی نصاب جو کچھ سکھاتا رہا، ہم اسے من و عن قبول کرتے رہے اور خود کبھی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی۔ اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو حقائق کو قبول کرنا ایک کٹھن مرحلہ ہو گیا کیونکہ تصویر کا ایک رُخ، جو بچپن ہی سے دماغ میں ٹھونسا جا چکا تھا، دوسرے رُخ کے واضح ہو جانے کے باوجود اسے رد کرنا اپنی توہین اور حقارت آمیز امر دکھائی دیتا تھا۔ تاہم جنھوں نے حقائق پیش کرنے کی جسارت کی، انھیں بوجوہ مصنوعی جذباتی تحریروں کے ذریعہ ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رد عمل کے نتیجے میں بہت سے محققین اس موضوع پر تحقیق کرنے کی طرف راغب نہ ہو سکے، لہٰذا انشا پردازی کے زور سے حقائق کو مزید مسخ کر کے رکھ دیا گیا۔

اگر بات یہیں تک محدود رہتی تو بھی کسی حد تک گوارا تھا مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک منصوبے کے تحت بعض کتابوں میں قطع و برید کی گئی تاکہ جدید نسل کو مکمل اندھیرے میں رکھا جا سکے۔ ان کتابوں میں مولانا حالی کی "حیات جاوید" اور شیخ محمد اکرام کی "موج کوثر" بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم غلط مفروضوں کو حقائق سمجھ کر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور جس کے باعث سرسید کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر باقاعدہ تحقیق کے بغیر کسی حتمی رائے تک پہنچنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حقائق کی جستجو میں الفاظ کے گورکھ دھندوں پر مبنی مضامین کا سہارا لینے کی بجائے ہم اصل ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کریں تاکہ اپنی قومی زندگی کے ماضی کو صحیح طور پر پیش کر سکیں۔

بعض حلقوں کی عادت ہے کہ اس قسم کے متنازعہ امور میں خود تو ایک فریق کو خواہ مخواہ مطعون ٹھہراتے رہتے ہیں مگر جب اس کے جواب میں اصل حقائق پیش کیے جائیں تو اسے گڑے مردے اکھاڑنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل انصاف کی ترازو پر پورا نہیں اترتا۔ گزشتہ واقعات ہمارے لیے تکلیف دہ ہوں یا باعث فخر، ہمیں اپنی قومی و ملّی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرنے ہیں اگر ہم حقائق سے چشم پوشی کا ارتکاب کریں، یا واقعات کو غلط رنگ میں پیش کر کے قبائح کو محاسن اور محاسن کو قبائح قرار دے ڈالیں تو یہ فیصلے ہماری قومی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہوں گے اور ہم غلط نہج پر بڑھ کر ٹھوکریں کھائیں گے۔ کسی کی برائیوں پر پردہ ڈالنا اور بات ہے لیکن انھیں مستحسن صورت میں پیش کرنا بدقسمتی کی انتہا ہے۔ کمزوریاں بہرحال کمزوریاں کہلانی چاہئیں اور اچھائیاں صرف اچھائیاں۔ غلطی غلطی ہے، اگرچہ اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو بلکہ دوسروں کی بھلائی کے جذبہ میں کی جائے، مگر محض اس وجہ سے کہ غلطی کرنے والے کی رائے خلوص پر مبنی تھی اس پر دیانت دارانہ رائے دہی سے گریز کیا جائے تو وہ غلطی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی نسل کے سامنے ایک نیک عمل کی صورت اختیار کر جائے گی اور ہم بھٹک جائیں گے۔

شبلی نعمانی کے مطابق۔

"اگر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعروں میں کیا برائی ہے، سوائے اس کے کہ وہ محض دعویٰ کرتے تھے واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے"[4]

حقیقت میں گزشتہ واقعات سے تو میں سبق سیکھتی ہیں اور مستقبل کے لیے بہتر لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ مجھے کسی فریق کی تحقیر مطلوب نہیں، کون کس حد تک صحیح یا غلط تھا اس وقت اس سے بحث نہیں، میرا مقصود صرف یہ ہے کہ جو بات کی جائے دیانت دارانہ تحقیق سے نتیجہ اخذ کر کے کی جائے۔

جب ہم ہندوستان میں ایک صدی قبل کے دور کی اپنی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں سرسید اور علماء اسلام میں باہمی کشمکش کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ بلا شبہ علمائے کرام نے اجتماعی اور انفرادی طور پر سرسید کی زبردست مخالفت کی۔ اس کا پس منظر کیا تھا، علماء کی انگریزی تعلیم سے نفرت، انگریزی حکومت کے استحکام کے لیے سرسید کی کوششیں یا کچھ اور ہے مشہور محقق شیخ محمد اکرام نے "موج کوثر" میں سرسید کی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اس موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس مخالفت کے متعلق عوام بلکہ خواص میں بھی کئی غلط فہمیاں رائج ہیں۔۔۔۔۔ سب سے بڑی غلط فہمی، جو اس بارے میں بہت عام ہے یہ ہے کہ علماء نے سرسید کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ وہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے سرسید کے موافق اور مخالف تحریروں کا مطالعہ کیا ہے اور ہماری رائے میں یہ خیال غلط ہے اور علماء اسلام کے ساتھ صریح بے انصافی ہے"[5]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس مخالفت کی بنیاد کیا تھی ؟ شیخ محمد اکرام اس کے جواب میں اپنی تحقیق کا لب لباب یوں بیان کرتے ہیں :

" اس معمہ کو حل کرنے کے لیے ان مضامین اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو سرسید کی مخالفت اور ان کی تکفیر میں شائع ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ کالج کی مخالفت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے تھے بلکہ اس لیے ہوئی کہ اس کی بنا میں سرسید کا ہاتھ تھا اور سرسید اپنی کتب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کر رہے تھے جنھیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے علیگڑھ کالج کے متعلق سخت سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاویٰ میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے، بلکہ یہی ہوتا ہے کہ جس شخص کے عقائد سرسید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں، اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہے اس کی اعانت جائز نہیں۔ شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سرسید اپنے مدرسے میں ان عقائد کی تبلیغ کریں گے جن کا اظہار وہ اپنے رسائل و کتب میں کر رہے تھے۔ سرسید نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی تصانیف میں کئی ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے مخالف بلکہ موافق بھی بدظن ہو جاتے تھے۔"[۱۶]

سرسید کے مذہبی خیالات میں تبدیلی کا پہلا عکس ہمیں ان کی تصنیف "تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل" میں ملتا ہے۔ اس کے متعلق وہ خود رقمطراز ہیں کہ :

" میری تفسیر پڑھنے والا جانے گا، میری تفسیر میں پائے گا کہ میں کچھ پابند نہیں رہا ہوں ان قولوں کا جن کو یہودی عالم یا عیسائی عالم یا مسلمان عالم بلا تحقیقات بطور باپ دادا کے تبرک کے مانتے چلے آئے ہیں"[۱۷]

اس کے بعد جب انھوں نے "احکام طعام اہل کتاب" لکھی اور اس میں ذبیحہ کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ :

"اگر اہلِ کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالتا یا سر پھاڑ کر مار ڈالتا اور ذکوٰۃ سمجھے ہوں تو ہم مسلمانوں کو اس کا کھانا درست ہے۔"[۵]

تو مسلمان ان کے سخت خلاف ہو گئے۔ سرسید نے ان خیالات کا نہ صرف اظہار ہی کیا بلکہ سفر لندن کے حالات میں ان پر عمل کرنے کا دعویٰ بھی کیا اور جھٹکے اور گردن توڑ کر مارے گئے پرند جانوروں کے گوشت کے بارے میں یہ لکھا کہ :

"میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسموں کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزے دار گوشت، مٹن، اور بیف اور مرغ و کبوتر کے کھائے ہیں۔"[۶]

تو ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی اور ان کے اس عمل کو ان کے کافر ہو جانے کا ثبوت قرار دیا گیا۔

بعد ازاں "الخطبات الاحمدیہ" کی تصنیف کے دوران لندن سے اپنے عزیز ترین دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے اس کے متعلق خود یہ پیشین گوئی کی۔

"میرے ہم قوم اس محنت کی، جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے، قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔"[۷]

لندن سے واپسی پر انھوں نے دو بڑے کام کیے۔ پہلا تہذیب الاخلاق کا اجرا اور دوسرا مدرسۃ العلوم مسلمانان کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا۔ تہذیب الاخلاق میں ان کے مضامین "جمہور سے اختلاف"، کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ عمر بھر ان خیالات کی اشاعت میں مصروف رہے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انھوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ان مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنھیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے، مثلاً شیطان، اجنہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے"[۸]

مولانا حالی نے "حیات جاوید" میں ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سرسید نے علماء سلف سے اختلاف کیا ہے۔ یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں انبیائے کرام کے معجزوں کا ذکر ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلافِ قانونِ فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدہا بن جانا فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلّی کا ہونا، گوسالۂ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، منّ و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ، ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا"[۹]

سرسید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی، جب کہ اس خطۂ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں، اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا ردّ عمل ہو سکتا ہے؟ لہٰذا سرسید کے زمانے میں اُن کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود ان کے دست راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال اُن ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ لگا ہے کہ ہمارے مسلمہ عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انھوں نے شد و مد کے ساتھ ظاہر بھی کردیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علماء کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا، اور بعض نے یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی دے دیئے۔ اور اُن کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں اُن سے اختلاف کرنا پڑا، بحث و مباحثے رہے ہیں[10]

اس کے علاوہ ایک اور لکچر میں انھوں نے بیان کیا:

"شاید سب سے پہلے میں نے ہی اُن کے کفر کا فتویٰ دیا تھا، ان کو چھپایا درج کیا ہے[11]

مولانا حالی سرسید کے اتنے عظیم معتقد تھے کہ جب انھوں نے سرسید کی سوانح "حیاتِ جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلّل مداحی" قرار دیا اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سرسید سے اپنی اس زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر اُن سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انھوں نے سرسید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے:

"سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض بعض مقامات پر اُن سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں، بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں[12]

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سرسید کے بہترین رفقائے کار میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ علی گڑھ تحریک کا ایک ستون تھے۔ سرسید نے کئی موقعوں پر ان کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سرسید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخباروں میں انھیں "نیچری بھانڈ" کا خطاب دیا گیا اور سرسید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں ان کی مقدمہ بازی بھی ہوتی رہی۔ انھوں نے خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انھوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور وہاں مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنھیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے، مثلاً شیطان، اجنّہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے"[۴۸]

مولانا حالی نے "حیات جاوید" میں ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سرسید نے علماء سلف سے اختلاف کیا ہے۔ یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں انبیائے کرام کے معجزوں کا ذکر ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلافِ قانونِ فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدہا بن جانا فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلّی کا ہونا، گوسالۂ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، منّ و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ، ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا"[۴۹]

سرسید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی، جب کہ اس خطۂ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں، اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا ردّ عمل ہو سکتا ہے؟ لہٰذا سرسید کے زمانے میں ان کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود ان کے دست راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال اُن ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہ سچ ہے کہ ہمارے مسلم عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انھوں نے شد و مد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علماء کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا، اور بعض نے یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی دے دیے۔ اور اُن کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں اُن سے اختلاف کرنا پڑا، بحث و مباحثے رہے" [۱۹]

اس کے علاوہ ایک اور لکچر میں انھوں نے بیان کیا:

"شاید سب سے پہلے میں نے ہی اُن کے کفر کا فتویٰ دیا تھا، ان کو چھپایا دری کہا" [۲۰]

مولانا حالی سرسید کے اتنے عظیم معتقد تھے کہ جب انھوں نے سرسید کی سوانح "حیاتِ جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلّل مداحی" قرار دیا اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سرسید سے اپنی اس زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر اُن سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انھوں نے سرسید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے:

"سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض بعض مقامات پر اُن سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں، بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں" [۲۱]

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سرسید کے بہترین رفقائے کار میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ علی گڑھ تحریک کا ایک ستون تھے۔ سرسید نے کئی موقعوں پر ان کی شان دار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سرسید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخباروں میں انھیں "نیچری بھانڈ" کا خطاب دیا گیا اور سرسید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں ان کی مقدمہ بازی بھی ہوتی رہی۔ انھوں نے خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ سرسید کی تفسیر پر وہ ان الفاظ میں رائے زنی کرتے ہیں:

"مجھ کو ان کے معتقدات با سرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خاں صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر "دیوان حافظ" کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے جو تڑموں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتابِ تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سید احمد خاں صاحب نے منطوق آیاتِ قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے)، قرآن کے منزّل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل۔۔۔۔۔۔ یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریل حامل وحی کا، نہ رسولِ خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا" [۱۴]

سرسید کے مذہبی نظریات کے متعلق مندرجہ بالا آرا خود ان کے قابلِ قدر ساتھیوں کی ہیں اور یقیناً یہ نظریات ان کے خلاف فتووں کی بنیاد بنے۔ اس ضمن میں سرسید ایک بزرگ معتقد کو طنزیہ انداز میں لکھتے ہیں:

"میری نسبت تو بہ سبب میری تصنیفات کے فتویٰ ہائے کفر ہو چکے ہیں۔ آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہیں، آپ پر بھی فتویٰ ہائے کفر ہلا جائیں گے" [۱۵]

اور یہی بنیاد علی گڑھ کالج کی مخالفت کا باعث ہوئی۔ سرسید نے خود ایک تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"جس زمانہ میں اس کالج کی تدبیریں شروع ہوئیں تو ہر جگہ کے لوگوں نے اس کو پسند کیا اور ہر حصۂ ملک سے اس کی تائید ہوئی اور ہوتی چلی جاتی ہے، مگر بعض مذہبی مسائل جو میں نے بیان کیے ان کے لحاظ سے البتہ لوگوں کو کچھ کچھ شبہ ہوا اور فتور پڑا" [۱۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع شروع میں جب یہ شبہات بڑھے تو بدگمانیوں نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ صریح مخالفت میں تبدیل ہوتی گئیں۔ مولانا حالی ان کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک مدت تک سرسید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں رہیں ہزاروں آدمی یہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لامذہب بنانا منظور ہے۔ اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسہ قوم کے فائدہ کے لیے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔ اگرچہ اس خیال کا دوسرا جز صحیح تھا مگر پہلا جز اس لیے غلط تھا کہ حالتِ موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اسی بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو"[۱۷]

غالباً پہلی "بدگمانی" سرسید کے ان عزائم کے باعث پیدا ہوئی ہوگی جن کا اظہار انھوں نے کالج قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد بیان کرتے ہوئے کیا:

"اصلی مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنسز اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں"[۱۸]

دوسری "بدگمانی" کے متعلق یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کی مخالفت میں وہ علماء پیش پیش ہوں گے جو انگریزی سلطنت کا استحکام ہندوستان میں نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد اکرام اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے سرسید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ سمجھتے ہیں کہ سرسید کی مخالفت ان دقیانوسی علمائے کی جو ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور سرکارِ انگلشیہ اور انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مدرسۃ العلوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم تھے۔[19] مولانا حالی ان کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

"مدرستہ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی وجاہت اور ذی رُعب ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے، ایک مولوی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر کانپور اور دوسرے مولوی علی بخش خاں سب جج گورکھپور اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی عقائد و خیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے۔ یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی، اور یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا۔ باوجود اس کے مدرستہ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر مخالفتیں اطراف و جوانب سے ہوئیں ان کا منبع ان ہی دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں"[20]

ان میں سے پہلے بزرگ کے متعلق ان کے خیالات سرسید کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"مولوی سید امداد العلی خان بہادر، جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں، مدرستہ العلوم میں ان کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب ان سے ملتے ہیں، مدرستہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں دربار دہلی میں بھی ہم نے اُن سے التجا کی۔ انھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے: اول یہ کہ "تہذیب الاخلاق" کا چھاپنا بند کر دو یا اس میں کوئی مضمون متعلق مذہب بست لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقائد سے جو برخلاف علماء متقدمین ہیں، توبہ کر دو"[21]

دوسرے بزرگ بھی سرسید کی ذات یا انگریزی تعلیم سے نہیں بلکہ ان کے مذہبی خیالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مولوی علی بخش خاں نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سید احمد خاں صاحب ایک شخص لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقی قومی پر آمادہ ہونا ان کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر اپنی خود رائی سے مذہبی دست اندازی و انقلاب دین ایسا ان کی طبیعت میں جم گیا کہ اصلی غرض فوت ہوگئی اور تمام قوم کو ان سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے ان کے خیالات مذہبی سے ہے، نہ کہ ان کی ذات خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے۔"[22]

یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا سرسید کے مخالف علما سرکار انگریزی کے "استحکام" کے خلاف تھے یا حامی، کیونکہ سرکاری ملازمت میں رہ کر بھی اندرونی طور پر حکومت کا مخالف ہوا جا سکتا ہے۔ سرسید اپنے مضامین میں "قومی ہمدردی" اور "قومی عزت" کے الفاظ اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ پہلے بزرگ یعنی سید امداد العلی کو انھوں نے ان باتوں کا مخالف قرار دیا۔ اس کی تردید میں سید امداد العلی ثبوت کے طور پر اپنی "خیر خواہی سرکار" کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

"جس خیر خواہ سرکار کی نسبت یہ سی۔ ایس۔ آئی سید احمد خاں یہ ظن رکھتا ہے کہ وہ ہمدردی کو کفر خیال کرتا ہے، اس تحریر کا محاکمہ میں حکام وقت اور جملہ مسلمانان و اہل ہنود پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر بنظر نمک حلالی اپنے آقا کے سینہ پر گولی باغیوں کی کھائے اور ہزارہا روپیہ کا مال اُن سے چھڑائے، اور وہ گولی چھ مہینے بعد ڈاکٹر رے صاحب بہادر نکالیں کہ جس کا خون مسٹر لو صاحب، داماد لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر، اور جینٹ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا پونچھتے جائیں اور اس گولی کا نشان تصدیق ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظمہ کا جس بہادر کے سینہ پر موجود ہو تو انصاف فرمایا جائے کہ کیا وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟"[23]

"قومی عزت" کا یہ تمغہ حاصل کرنے والے سید امداد العلی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوران انگریزوں کی حمایت میں اپنے ہم وطنوں کی گولی کھا کر زخمی ہوئے تھے۔ جاں نثاری کے اس عملی ثبوت کے بعد انھیں انگریزی حکومت کا مخالف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان ہی بزرگ نے ہندوستان کے تمام مکاتیبِ فکر کے علمائے سرسید کے خلاف تکفیر کے فتوے حاصل کر کے رسالہ "امداد الآفاق برجم اہل النفاق" بجواب پرچۂ تہذیب الاخلاق" کے آخر میں شائع کیے۔ مولانا حالی ان فتووں کے مطالعہ کے بعد وضاحت کرتے ہیں:

"مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں، کیا سنّی، کیا شیعہ، کیا مقلّد کیا غیر مقلّد، کیا وہابی کیا بدعتی، سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور خاص کر سنی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں۔"[24]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"دلّی، رام پور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساٹھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتوؤں پر مہریں اور دستخط کیے تھے، گویا ہندوستان کے تمام اہلِ حل و عقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا۔ صرف خدا کی طرف سے اس کی تصدیق اور تصویب باقی رہ گئی تھی، سو مولوی علی بخش خاں نے یہ کمی پوری کر دی۔"[25]

یعنی ان دوسرے بزرگ نے حرمین شریفین جا کر مذاہبِ اربعہ کے مفتیوں سے سرسید کے خلاف فتوے حاصل کیے۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب میں ان کا تفصیلاً جائزہ لیا ہے۔ سرسید نے ان حصولِ فتاویٰ کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے:

"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت ان کو حجِ اکبر نصیب ہوا..... سبحان اللہ، ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی الحرمین بناتا ہے اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا ذکر ہمیشہ لطیف پیرایوں میں نہیں ہوتا تھا۔ بحث ومباحث کے اس تمام دور میں سرسید کے دوستوں کی طرف سے جو شدید ردِّ عمل ظاہر کیا جا رہا اس کے بیان سے قطع نظر علماء اسلام اور ان فتووں کے بارے میں خود سرسید کے تاثرات کا ذکر حالات کے پس منظر کو بہتر طور پر سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ ذیل میں سرسید کی تحریروں سے چند مختصر اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:

"جو لوگ کہ ہماری تدبیروں کی مخالفت کرتے ہیں وہ سچے دشمن اسلام کے اور مسلمانوں کے ہیں۔ تمام باتیں اُن کی ظاہری اور محض جھوٹ ہیں۔ اپنے مطلب پر وہ وہ باتیں کرتے ہیں جو ایک ادنیٰ دنیادار بھی نہیں کیا کرتا۔ کیا اس زمانہ کے لوگ واقف نہیں ہیں کہ اپنی غرض پر مولوی نون لبسرا اور مولوی سین لبسرا اور مولوی میم لبسرا اور مولوی عین لبسر وغیرہ وغیرہ نے کیا کیا، کیا ہے؟ جو لوگ ہماری تکفیر کا فتویٰ دیتے ہیں، ذرا ان کو شرم کرنی چاہیے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے۔ کون سی لمبی پوزیشن کے مولوی صاحب ہیں جن کے حال اور کرتوت سے ہم واقف نہیں؟" [۲۷]

"اسرارِ اسلام کے سمجھانے والے سب مٹ گئے اور صرف اسلام کا بھجن گا کر روٹی کمانے والے اور اپنا دوزخ بھرنے کو تمام دنیا کو دوزخ میں بھیجنے والے باقی رہ گئے جو بہشت کو خاص اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، کفر کے خزانے کے مالک ہیں، اس میں سے ہر ایک کو جتنا جتنا مناسب سمجھتے ہیں تحفہ دیتے ہیں" [۲۸]

"افسوس، صد افسوس! ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو ایسی لغو اور مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیقات کرے اور اس پر غور کیا جائے تو اس کو کافر، لامذہب، مرتد، عیسائی، حرام خور، مری مرغی کھانے والا بتاتے ہیں" [۲۹]

"کتنے ملّاؤں کے اس فتویٰ کفر سے، کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو جو جداگانہ میں نہ ماننے سے نص قرآنی کا انکار

© rasailojaraid.com